عورت، جنسی تفریق

اور

اِسلام

لیلیٰ احمد

ترجمہ : خلیل احمد

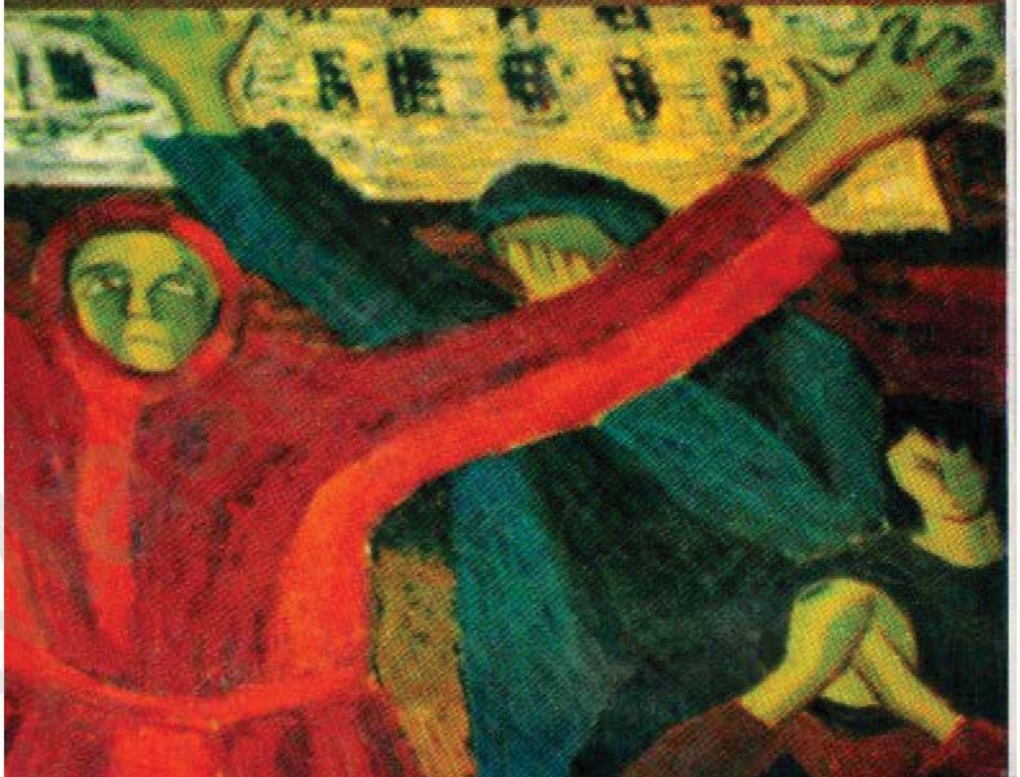

عورت، جنسی تفریق

اور اسلام

لیلیٰ احمد
ترجمہ خلیل احمد

مشعل
آر- بی 5 ، سیکنڈ فلور، عوامی کمپلیکس
عثمان بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور54600، پاکستان

MashalBooks.org

مشعل بکس

عورت جنسی تفریق اور اسلام : لیلےٰ احمد
کاپی رائٹ: (C)انگریزی 1992 ییل یونیورسٹی
کاپی رائٹ (C)اردو 1995 مشعل
اردو ترجمہ: خلیل احمد
ناشر: (1) مشعل پاکستان
آر۔ بی 5، سیکنڈ فلور
عوامی کمپلیکس، نیو گارڈن ٹاؤن لاہور، پاکستان
ٹائٹل کی تصویر: ''احتجاج''۔ انجی افلاطون

MashalBooks.org

فہرست

مقدمہ　ڈاکٹر ساجد علی　۵

تعارف　۱۵

حصہ اول

اسلام سے قبل مشرقِ وسطیٰ

باب 1　۲۷
میسو پوٹیمیا

باب 2　۴۴
بحیرہ روم کا مشرقِ وسطیٰ

حصہ دوم

بنیادی مباحث

باب 3　۶۳
عورتیں اور طلوع اسلام

باب 4　۹۰
عبوری دور

باب 5　۱۰۹

MashalBooks.org

بنیادی مباحث

باب 6 — ۱۳۵
عہدِ وسطیٰ کا اسلام

حصہ سوم

نئے مباحث

باب 7 — ۱۶۴
سماجی اور فکری تبدیلی

باب 8 — ۱۸۶
پردے سے متعلق مباحث

باب 9 — ۲۱۶
ابتدائی حامیان نسواں

باب 10 — ۲۳۷
متخالف رجحانات

باب 11 — ۲۵۹
مستقبل کے لئے جدوجہد

حرفِ آخر — ۲۹۵

حوالے کے رسائل، مضامین، اور کتب — ۳۱۵

MashalBooks.org

مقدمہ

مرد اور عورت کے باہمی تعلق کی صحیح تفہیم' دونوں کے حقوق و فرائض کا درست تعین انسانی تمدن کا اہم ترین مسئلہ ہے۔ المیہ یہ ہے کہ ان مسائل پر ہونے والی بحث کا بڑا حصہ جذباتیت کا شکار ہے۔ عقلی انداز میں اس پر گفتگو بہت کم ہوئی ہے۔ اس کا ایک بڑا سبب فریقین کے مابین پائی جانے والی بداعتمادی ہے۔ مرد عورت کو حقیر' کم عقل' مکار' دھوکہ باز' اور پاؤں کی جوتی کہتے ہیں تو عورتوں نے مرد کو ناقابلِ اعتبار اور سرہانے کا سانپ قرار دیا ہے۔

عصر حاضر میں یہ سوال بڑی اہمیت اختیار کر گیا ہے کہ عورت اور مرد مساوی ہیں یا عورت مرد سے کمتر ہے؟ اس سوال پر بہت زیادہ لکھا جا چکا ہے۔ اگر اس بحث کا منطقی تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ اس کا زیادہ تر حصہ محض غلط مبحث پر مشتمل ہے۔ تاریخی اعتبار سے مردوں کا غالب نقطہ نظر یہی ہے کہ عورت مرد سے کمتر ہے۔ اس کمتری کے حق میں بہت سے دلائل دیئے جاتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ عورت اور مرد کی فطرت جدا جدا ہے اس لئے عورت بعض کاموں کے لئے طبعاً ناموزوں ہے۔ یہ قانون فطرت کے عین ہے کہ عورت امور خانہ داری انجام دے اور مرد بیرونِ خانہ سرگرمیوں میں حصہ لے۔

کیا عورت اور مرد کے جداگانہ دائرہ کار کا تصور قانون فطرت ہے یا اس کا سبب کچھ اور ہے؟ یہ بات درست ہے کہ عورت اور مرد میں بعض حیاتیاتی امتیازات ہیں جس طرح دیگر جانوروں کے نر اور مادہ میں ہوتے ہیں۔ مگر ان حیاتیاتی امتیازات سے کیا یہ نتائج اخذ کرنا درست ہے کہ عورت اور مرد کی فطرت بھی جداگانہ ہے اور اسی بناء پر الگ دائرہ کار اور الگ الگ تعلیم و تربیت کی متقاضی ہے۔

MashalBooks.org

ان سوالات کا جواب دینے سے پہلے یہ لازم ہے کہ ہم یہ سمجھ لیں کہ قانونِ فطرت کیا ہوتا ہے اور اس کے خصائص کیا ہوتے ہیں۔ قانون فطرت اس کائنات میں پائی جانے والی با قاعدگی کو بیان کرتا ہے۔ اس اعتبار سے فطری قوانین نا قابلِ تغیر ہوتے ہیں۔ انسان نہ تو انہیں توڑ سکتا ہے نہ ان کو نافذ کر سکتا ہے۔ یہ قوانین حقائق کو بیان کرتے ہیں۔ جیسا کہ وہ ہوتے ہیں اسی بناء پر ان کے جھوٹ یا سچ ہونے کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ یعنی اگر کوئی مزعومہ قانون حقیقت کو درست طور پر بیان کرتا ہے تو وہ سچ ہو گا بصورت دیگر غلط ہو گا۔

ان قوانین کے برعکس انسانی معاشرے کے نظم و ترتیب کو بیان کرنے والے قوانین فطری نہیں بلکہ معیاری ہوتے ہیں۔ یہ معیارات فطری قوانین سے جداگانہ خصوصیات کے حامل ہیں۔ ان معیارات کے نفاذ کی ذمہ داری انسانوں پر عائد ہوتی ہے۔ ہم انہیں اچھا یا برا صحیح یا غلط تو قرار دے سکتے ہیں مگر جھوٹ یا سچ نہیں کر سکتے۔ یہ معیارات حقائق کو بیان نہیں کرتے بلکہ ہمارے طرزِ عمل کے لئے رہنما اصول وضع کرتے ہیں۔ چنانچہ یہ معیارات فطری نہیں بلکہ رسمی اور رواجی ہوتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ یہ انسانوں نے اپنی شعوری کوشش سے وضع کئے ہوتے ہیں۔ یہ معیارات انسانوں کے صدیوں پر محیط پر باہمی تعامل کا نتیجہ ہیں۔

اس موقع پر ضروری محسوس ہوتا ہے کہ حقائق اور معیارات میں حائل خلیج کی طرف بھی اشارہ کر دیا جائے۔ حقائق بس حقائق ہوتے ہیں وہ نہ اچھے ہوتے ہیں نہ برے۔ اسی بنا پر اخلاقی اصول اور معیار حقائق سے اخذ نہیں کئے جا سکتے۔ مثلاً مساوات انسانی کے اصول کو لیجئے۔ اس اصول کی دلیل اس بات کو بنانا غلط ہو گا کہ چونکہ سب انسان مساوی پیدا ہوتے ہیں اس لئے وہ دیگر امور میں بھی مساوی ہوتے ہیں۔ انسان بس پیدا ہوتے ہیں مساوی یا غیر مساوی نہیں ۔ پیدائش کے وقت ہر بچہ بعض پہلوؤں سے دوسروں کے مساوی ہوتا ہے تو بعض دوسرے پہلوؤں سے غیر مساوی ہوتا ہے۔ انسانی مساوات کا تصور اصلاً ایک اخلاقی اصول ہے جس کے قبول اور نفاذ کی ذمہ داری ہمارے اوپر عائد ہوتی ہے۔ اسی طرح مرد اور عورت مساوی ہیں یا غیر مساوی۔ یہ اخلاقی فیصلہ ہے جس کی ذمہ داری ہم پر عائد ہوتی ہے نہ کہ فطرت پر۔ فطرت صرف مرد اور عورت کو پیدا کرتی ہے' انہیں مساوی یا

MashalBooks.org

غیر مساوی پیدا نہیں کرتی۔ اس لئے فطرت کی بنیاد پر کئے جانے والا استدلال سرتاسر غلط ہے۔

عورت اور مرد کی مساوات کے نظریہ اور اس کے مضمرات پر افلاطون نے اپنے مکالمہ ریاست کی کتاب پنجم میں بحث کی ہے۔ افلاطون کے نزدیک مردوں کی معاشرے میں وہ حیثیت ہے جو گلے میں محافظ اور نگران کتے کی ہوتی ہے۔ یہاں سقراط ایک سوال اٹھاتا ہے۔ کیا کتوں میں نر اور مادہ کی تفریق ہوتی ہے؟ یا وہ سب کے سب شکار، نگہبانی اور دوسرے فرائض یکساں انجام دیتے ہیں؟ یا ایسا ہوتا ہے کہ ہم صرف نر کتوں کو تو گلے کی نگہداشت کے لئے چھوڑ دیں اور کتیوں کو یہ سمجھ کر گھر پر پڑا رہنے دیں کہ بچے دینا اور انہیں دودھ پلانا ان کے لئے بس کافی محنت ہے؟

گلاکن اس کا جواب دیتا ہے کہ نہیں، وہ تو سب یکساں ان کاموں میں شریک ہوتے ہیں، صرف اتنا فرق ہے کہ نر زیادہ مضبوط ہوتے ہیں اور مادہ ذرا کمزور۔

سقراط۔ اچھا بتاؤ کہ اگر جانوروں کو ایک سی ترتیب اور خوراک نہ دی جائے تو کیا وہ دونوں ایک ہی کام کر سکتے ہیں؟

گلاکن ۔نہیں

سقراط۔ چنانچہ اگر مردوں اور عورتوں کے فرائض ایک سے ہیں تو ان کی تعلیم اور تربیت بھی ایک سی ہونی چاہئے۔

گلاکن۔ جی ہاں

اس پر سقراط یہ کہتا ہے کہ مردوں کے لئے تو ورزش اور موسیقی کی تعلیم ہے تو کیا عورتوں کے لئے بھی یہی تعلیم مناسب ہو گی اور اگر مناسب ہو گی تو کیا یہ مضحکہ خیز نہیں ہوگا کہ عورت بھی کپڑے اتار کر مردوں کے ساتھ اکھاڑے میں ورزش کر رہی ہو۔ عاقل لوگ یقیناً اس جدت کا مذاق اڑائیں گے۔ اس موقع پر سقراط نے بہت پتے کی بات کی ہے۔ وہ ان معترضین کو یاد دلاتا ہے کہ بہت دن نہیں گزرے جب مردوں کا کپڑے اتار کر اکھاڑے میں ورزش کرنا بھی معیوب سمجھا جاتا تھا اور جب پہلے پہل کریٹ کے باشندوں نے اور اس کے بعد لیسی ڈی مونیا کے باسیوں نے اس رسم کو شروع کیا تھا تو اس زمانہ کے عاقلوں نے بھی اس کا اسی طرح مذاق اڑایا تھا۔ مگر جب ہم نے اس تبدیلی کو وجوہ پر غور کیا وہ یہ فیصلہ

MashalBooks.org

کیا یہ تبدیلی بہتر ہے تب اس سے مضحکہ خیزی کا پہلو غائب ہو گیا' اور عقل کا بہترین کے حق میں فیصلہ غالب آ گیا۔ (اردو ترجمہ از ڈاکٹر ذاکر حسین)

اس بات سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ عورتوں اور مردوں کے جداگانہ دائرہ کار کا تصور فطرت کے کسی قانون پر مبنی نہیں بلکہ معاشرتی رسم و رواج اور عادت کا نتیجہ ہے۔ رسم اور عادت کا دستور ہے کہ وہ ہر غیر مانوس فعل کو ناممکن اور خلافِ فطرت قرار دے دیتی ہے۔ رائج الوقت رسوم و رواج پر غور وخوض اور ان کو بدلنے کی کوشش کو انتہائی معیوب سمجھا جاتا ہے۔ عقل غیر مانوس سے خوفزدہ ہونے کی بجائے اس پر غور و تامل کرتی ہے اور رائج طرزِ عمل کو ناقابلِ تغیر اور فطری تسلیم کرنے سے انکاری ہوتی ہے۔ عقل تعصب سے پاک' شواہد پر مبنی استدلال کی بنیاد پر اپنا فیصلہ صادر کرتی ہے۔

اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ رسوم و رواج عورت کے دشمن اور عقل اس کی حامی ہے۔ عورت عقلی دلائل کی بناء پر مساوی سلوک کا مطالبہ کر سکتی ہے۔ اس خطرناک راستے کو بند کرنے کے لئے مردوں نے عورت کو ناقص العقل قرار دے دیا۔ ڈی ایچ لارنس نے کہا تھا کہ عورت اور مرد کی منطق میں فرق ہوتا ہے۔ مرد کی منطق عقل پر اور عورت کی منطق جذبات پر مبنی ہوتی ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ عورت جذبات سے ہٹ کر خالصتاً عقل کی بنیاد پر کوئی فیصلہ نہیں کر سکتی۔ اسی بنا پر عورت کا مزاج شاعری' ادب اور دیگر فنون لطیفہ کے لئے تو موزوں ہے مگر منطق' فلسفہ اور سائنس کے لئے غیر موزوں ہے۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ مغرب میں تحریک نسائیت کی اکثر علم برداروں نے اس موقف کو اپنا لیا ہے اور منطق' عقل اور معروضیت کو اپنا دشمن اور مردانہ غلبہ و تسلط کا آلہ قرار دینا شروع کر دیا ہے۔ روتھ گنز برگ نے جو امریکہ کی ایک یونیورسٹی میں فلسفہ کی استاد ہے Modus Ponens کو جو منطق کا ایک بہت بنیادی اصول ہے' مردانہ تخلیق اور عورتوں پر جبر کا ذریعہ کہا ہے۔ اس کے نزدیک استدلال کی یہ صورت مکمل طور پر مردانہ اور عورتوں کے لئے ناقابلِ فہم ہے کیونکہ اس کی اکثر طالبات کو اسے سمجھنے میں دشواری کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ بلکہ وہ تمام تر علامتی منطق کو عورتوں کے لئے اجنبی قرار دے دیتی ہے۔

اگر اس تصور کو تسلیم کر لیا جائے کہ عورت اور مرد کی عقل اور منطق میں بنیادی فرق ہے تو عورتوں کی مساوات ثابت ہونے کی بجائے الٹا یہ ہو گا کہ عورتیں بعض کاموں

کے لئے غیر موزوں قرار پائیں گی۔ جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے کہ تاریخ میں بہت کم عورتیں فلسفی، سائنسدان اور ریاضی دان ہوئی ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ عورتوں کو بہت کم وہ تعلیم و تربیت حاصل کرنے کا موقع ملا ہے جو ان علوم کے لئے درکار ہے۔ معاشرتی دائرے میں عورت ہر وہ کام کر سکتی ہے جو مرد کر سکتا ہے۔ یعنی وہ ڈاکٹر، وکیل، انجینئر، سائنس دان، پروفیسر بننے کے لئے اسی طرح موزوں اور اہل ہے جس طرح مرد۔

یہ ایک عظیم تاریخی المیہ ہے کہ مردوں نے کبھی بھی عورت کی مساوی انسانی حیثیت کو تسلیم نہیں کیا۔ ان کے نزدیک عورت کی تخلیق کا واحد مقصد مرد کی جنسی خواہشات کی تسکین کرنا ہے۔ چنانچہ عورت پر لازم ہے کہ وہ اپنی تمام تر توجہ اپنے آپ کو بنانے سنوارنے پر مرکوز رکھے تا کہ مرد کے لئے زیادہ سے زیادہ جاذبِ نظر ہو، اس کو لبھا اور رجھا سکے۔ مرد کے لئے ضروری ہے کہ وہ عورت کے لئے آرائش و زیبائش کا سامان فراہم کرے۔ جنسی لذت پر بھی مرد کا ہی حق تسلیم کیا گیا ہے۔ اس کے لئے مرد آزاد ہے کہ وہ جتنی عورتوں سے چاہے تمتع کر سکتا ہے۔ یک زوجگی کو خلافِ فطرت کہا گیا۔ یعنی مرد ایسا جانور ہے جو ہر چراگاہ میں چرنے کے لئے آزاد ہے۔ بادشاہوں کے حرم، لونڈیوں کی خرید وفروخت کے لئے بجنے والے بازار، اور طوائفوں کے بازار انہی تصورات کی پیداوار رہے ہیں کہ مرد جنسی تلذذ کی خاطر تنوع کا متلاشی رہا ہے۔

مردوں کے ان تصورات پر یوں تو عورتوں نے ہر دور میں احتجاج کیا ہے اور اپنے حقوق کی بات کی ہے مگر جدید مغربی تہذیب میں عورتوں نے اپنے مساوی حقوق، قانونی، ازدواجی، تعلیمی، معاشی کی خاطر بہت جدوجہد کی ہے اور بہت سے حقوق حاصل بھی کر لئے ہیں مگر اس ساری جدوجہد کا ایک منفی پہلو بھی ہے جو انسانیت کی تحریک کی صورت میں سامنے آیا ہے۔ اس تحریک کا ایک واضح سیاسی ایجنڈا ہے جس میں مرد دشمنی کا رنگ بہت نمایاں ہے۔ اس تحریک کے نتیجے میں ساٹھ کے عشرے میں امریکہ اور یورپ میں وہ طوفان اٹھا جسے جنسی انقلاب کا نام دیا گیا تھا۔ یہ طوفان اپنے ساتھ تمام اخلاقی تصورات کو بہا کر لے گیا اور معاشرہ اخلاقی اور صنفی انتشار کا شکار ہو گیا۔ جنسی جذبے کی بلاقید تسکین ایک نعرہ بن گئی۔ نسائیت کی علم برداروں نے عورت کے خود مکتفی ہونے کا اعلان کرتے ہوئے لیسبین ازم کا پرچار شروع کر دیا۔ یہ بات اگرچہ قابلِ بحث ہے کہ آیا لیسبین ازم اس تحریک کا جزو

لازم ہے یا نہیں۔ مگر اس تحریک کی ارکان کی اکثریت مرد دشمنی میں عورتوں کے باہمی جنسی تعلقات پر عمل پیرا ہے۔ اس جنسی انقلاب پر بھی تقریباً ربع صدی گزر چکی ہے اور اس کے ثمرات پر بحث جاری ہے۔ کیا عورت واقعی مساوی انسانی حیثیت کو منوانے میں کامیاب رہی ہے؟ کیا اسے جنسی استحصال سے نجات مل گئی ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ عورت کے لئے چوبیس گھنٹے کا کام' روزی کمانے کی مشقت بچوں کی تنہا پرورش' شب بسری کی خاطر ایک رات کے مہمان کی تلاش اور میزبانی' روح کو تسکین دینے والی اور شائد قائم رہنے والی محبت کی جستجو ہی اس انقلاب کا ثمر ہے۔

مغربی معاشرے کے اس اخلاقی اور جنسی بحران کا واحد سبب جنسی انقلاب کو ہی قرار دینا درست نہ ہوگا۔ مسئلہ دراصل یہ ہے کہ مغرب میں تقریباً ایک صدی سے اخلاقی قیود سے آزادی کے فلسفوں کا پرچار بہت زور شور سے کیا جا رہا ہے۔ بالخصوص فرائڈ نے اس بات پر بہت زور دیا کہ تہذیب کی عائد کردہ پابندیاں انسانی شخصیت کی نشوونما میں رکاوٹ اور بہت سے نفسی عوارض کا باعث ہیں۔ یہ پابندیاں انسان کے فطری داعیات کی تسکین کی راہ میں حائل ہوتی ہیں۔ شخصیت کی نشوونما کے لئے لازم ہے کہ خیروشر' نیکی بدی' گناہ و ثواب کے تمام تصورات کو بالائے طاق رکھ دیا جائے اور فطری داعیات کی تسکین کی راہ میں حائل ہر رکاوٹ کو دور کر دیا جائے۔ فرائڈ کے انہی خیالات کی بنا پر فان ہائک نے اسے تہذیب انسانی کو منہدم کرنے والا کہا ہے۔ تہذیب کی شاہرہ پر انسان کا سفر اسی وقت شروع ہوا تھا جب اس نے فطری داعیات پر کنٹرول کرنا شروع کیا تھا۔ ہر جذبے اور داعیے کی فوری تسکین کی خواہش انسان کو تہذیب سے قبل کے دور میں واپس لے جانے والی ہے۔ مغربی معاشرے کا بحران بڑی حد تک انہی فلسفوں کا پیدا کردہ ہے۔ مرد تو ہمیشہ سے ہی خواہشات کا اسیر رہا ہے۔ اب عورتوں نے بھی یہی راستہ اختیار کر لیا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ پائدار' ایثار و قربانی پر مبنی انسانی تعلقات قصہ پارینہ بن چکے ہیں۔ ہر مرد و زن ہر لحظہ لذت اندوزی کا متلاشی ہے۔ تمام توانائیاں اس لذت اندوزی میں جدت اور تنوع پیدا کرنے پر صرف ہو رہی ہیں۔ ایریکا ژونگ کے ناول اس کی نمایاں مثال ہیں۔

ہمارے اپنے معاشرے میں عورت بے اندازہ زیادتیوں اور ناانصافیوں کا شکار ہے۔ نہ ان کے دینی حقوق تسلیم کئے جاتے ہیں نہ دنیاوی۔ جاگیردارانہ معاشرہ عورت سے

MashalBooks.org

بھیڑ بکری جیسا سلوک کرتا ہے۔ شادی میں بھی عورت کی رضا اور پسند نا پسند کو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی ہے۔ اسے جس کھونٹے سے جی چاہا باندھ دیا۔ وراثت میں بھی اس کا حق تسلیم نہیں کیا جاتا نہ اس کا حصہ ادا کیا جاتا ہے۔ سندھ میں ایک انتہائی قبیح رسم جاری ہے۔ عورتوں کو وراثت سے محروم کرنے کے واسطے ان کا قرآن سے نکاح کر دیا جاتا ہے۔ عورتوں کو تعلیم دلانا بھی معیوب سمجھا جاتا ہے۔

ستم یہ ہے کہ اس رویہ کے حق میں مذہب کی سند پیش کی جاتی ہے۔ ہمارے ہاں آج بھی عورتوں کی تعلیم و تربیت کے لئے بہشتی زیور ایک مستند کتاب سمجھی جاتی ہے۔ اس کتاب کے مطابق عورت کو انسان سمجھنا ہی دشوار ہے چہ جائیکہ اس کے حقوق کی بات کی جائے۔ پاک و ہند کے علما نے اسلام کی جو تعبیر اختیار کی ہے اس کے مطابق عورت سات پردوں میں چھپا کر رکھی جانے والی چیز ہے۔ اسی لئے ہمارے ہاں عورت کی پاکیزگی اور عفت کو بیان کرنے کی خاطر یہ جملہ عام بولا جاتا ہے کہ اس پر سورج کی بھی کبھی نظر نہیں پڑی۔ چنانچہ اگر اس پر کسی غیر محرم کی نظر پڑے گی تو فتنہ پیدا ہونا لازمی ہے۔ بلکہ فتنہ پیدا ہونے کے لیے عورت پر نظر پڑنا بھی ضروری نہیں اس کی تحریر پر بھی نظر پڑنے سے فتنہ پیدا ہوسکتا ہے۔ بہشتی زیور کے مصنف کے نزدیک اگر کوئی عورت لکھنا جانتی ہو تو وہ کسی دوسری عورت کو خط لکھ کر نہ دے کیونکہ اس طرح اس کی تحریر پر غیر محرم کی نظر پڑے گی جس سے فتنہ پیدا ہونے کا احتمال ہے۔ ان کے خیال میں عورتوں کی تھوڑا بہت پڑھنا تو سکھانا چاہئے تاکہ وہ قرآن حکیم پڑھ سکیں مگر لکھنا نہیں سکھانا چاہئے کیونکہ اس طرح وہ آشنائی گانٹھنا شروع کر دیں گی۔ جن لوگوں کی پرواز خیال بس اتنی ہی ہو کہ اگر عورت کو لکھنا آتا ہو تو وہ ضرور کسی آشنا کو خط لکھے گی تو وہ سدفتنہ کے لئے عورت پر ہر باب بند کر دینے کو عین شریعت قرار دیں گے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا بہشتی زیور میں بیان کردہ تصور ہی حقیقی اسلامی تصور ہے یا یہ تصور مخصوص معاشرتی صورتِ حال کے پسِ منظر میں کی گئی ایک تعبیر ہے۔ کیا اس مسئلے پر قرآن کی کسی دوسری تعبیر کی گنجائش موجود ہے؟

جس کتاب کا اردو ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے اس کی مصنفہ لیلیٰ احمد نے مسلمان معاشرے میں عورت کے مقام و مرتبہ پر تاریخی تناظر میں بڑی سنجیدہ اور عالمانہ بحث کی ہے

MashalBooks.org

فاضل مصنفہ کا یہ نکتہ بہت اہم ہے کہ مسلمان مفسرین نے عجمی معاشروں میں رائج تصورات کے زیرِ اثر قرآن کی تشریح کی ہے۔ اس طرح قرآن نے مساوات اور عدل کے جن تصورات کو پیش کیا تھا' ان کی جگہ عدم مساوات اور ناانصافی پر مبنی تصورات رواج پا گئے۔

البتہ فاضل مصنفہ نے اسلام کے نقطہ نظر اور مسلمانوں کے طرزِ عمل میں حائل فرق کو ملحوظ نہیں رکھا۔ یہ بات انہوں نے تسلیم کی ہے کہ قرآن نے مرد اور عورت کی مکمل روحانی مساوات پر زور دیا ہے۔ اس کے باوجود یہ کہنا بہت عجیب معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے عورت کو کم تر مقام دیا ہے۔ اسلام کا حقیقی نقطہ نظر سمجھنے کی خاطر ہمیں قرآن حکیم کو ہی بنیاد بنانا پڑے گا۔ تاریخی روایات کو قرآن پر حکم بنانا اور ان کی مدد سے مطالب کا تعین کرنا درست نہیں ہے۔ بدقسمتی سے ہماری کتابوں میں موضوع اور ضعیف روایات کی اتنی بھرمار ہے کہ ان کی بنا پر اسلام کا چہرہ داغدار بنانا بہت آسان ہو جاتا ہے۔ مستشرقین نے آج کل یہی طریقہ اپنایا ہوا ہے۔ وہ جس اسلام کو دنیا کے سامنے پیش کر رہے ہیں وہ زیادہ تر اسی قسم کی روایات پر مبنی ہوتا ہے۔ فاضل مصنفہ نے بھی زیادہ تر ایسی ہی روایات سے استشہاد کیا ہے۔ دوسری طرف یہ واضح نہیں ہوتا کہ مصنفہ کی مساوات سے کیا مراد ہے؟ مساوات کا ایک ہی قابلِ عمل مفہوم ہو سکتا ہے اور وہ ہے قانونی مساوات۔ یعنی قانون کی نظر میں سب مساوی ہوں گے' سب سے یکساں سلوک ہوگا۔ قانون کسی سے امتیاز نہیں برتے گا۔ باقی دائروں میں انسان کبھی مساوی نہیں ہو سکتے۔ معاشی مساوات کا نعرہ ایک فریب تھا اور اب انسان اس فریب سے بخوبی آگاہ ہو چکے ہیں۔ انسانی معاشرہ تقسیم کار کے اصولوں پر قائم ہوتا ہے۔ مختلف لوگ مختلف کام سرانجام دیتے ہیں۔ وہ اپنے پیشے کی بنیاد پر شرف انسانی میں کم یا زیادہ نہیں ہوتے۔ یہ غلط تصور چونکہ صدیوں سے رائج ہے کہ بعض کام صرف شرفا کے لائق ہیں اور اسی بنا پر بعض کاموں کو دوسرے بعض کاموں کے مقابلہ پر افضل قرار دیا جاتا ہے۔ اور ان کاموں کے کرنے والے زیادہ مقام و مرتبہ کے حق دار گردانے جاتے ہیں۔

اب عورت اگر گھر سنبھالتی ہے اور بچوں کی پرورش کرتی ہے تو یہ تقسیم کار کے اسی اصول پر مبنی ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ عورت کا فطری مقام گھر ہے یا یہ فطرت کا تقاضا

ہے کہ عورت صرف امور خانہ داری انجام دے سکتی ہے۔ نہ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ بچوں کی پرورش کرنا کوئی کم تر درجے کا کام ہے۔ بلکہ غور کیا جائے تو یہ کام معاشی سرگرمی سے کہیں زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ انسانی تہذیب کی ترقی اور بقا میں خاندان کا کردار انتہائی اہم ہے۔ تہذیب کا مستقبل اسی بات پر منحصر ہے کہ ہم اپنے بچوں کی تعلیم وتربیت کس طرح کرتے ہیں۔ ان کے اندر اعلیٰ انسانی اقدار کا شعور کتنا راسخ کرتے ہیں۔ آج مختلف معاشرے جس بحرانی کیفیت کا شکار نظر آتے ہیں اس کا بڑا سبب اس اہم ذمہ داری سے پہلوتہی ہے۔ اب یہ گمان کیا جاتا ہے کہ انسانی بچے کو کسی مدد اور رہنمائی کی ضرورت نہیں وہ خود بخود دیگر جانوروں کے بچوں کی مانند پل کر بڑا ہو جائے گا۔ یہ صحیح ہے کہ انسان کا حیاتیاتی وجود تو اس طرح مکمل ہو جائے گا مگر اس کا ثقافتی وجود بالکل نشوونما نہیں پا سکے گا۔ آج ہمیں ثقافتی اور اخلاقی اعتبار سے تہی جس قدر انسانوں سے واسطہ پڑتا ہے اس کا بڑا سبب مناسب خاندانی تربیت کا میسر نہ آنا ہے۔

قرآن حکیم کے مطابق مرد اور عورت ایک دوسرے کے حریف نہیں بلکہ زوج ہیں دونوں کی تخلیق ایک ہی نفس سے ہوئی ہے اس لئے دونوں باہم مل کر ایک مکمل اکائی بناتے ہیں اور ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں۔ انسان ہونے کے ناطے دونوں ہر اعتبار سے مساوی ہیں۔ اپنے اعمال کے لئے یکساں طور پر ذمہ دار اور جواب دہ ہیں۔ دونوں کے اعمال کا عذاب وثواب بھی یکساں ہے۔

البتہ معاشرتی زندگی میں اسلام نے تقسیم کار کے اصول کے تحت مرد اور عورت دونوں کے لئے بعض ذمہ داریوں کا تعین کیا ہے اور انہی کے حوالے سے دونوں کے حقوق و فرائض کا تعین کیا ہے۔ عائلی زندگی میں عورت کی کفالت مرد کے ذمہ ڈالی گئی ہے۔ قرآن حکیم میں مردوں کو عورتوں کا قوام کہا گیا ہے۔ ہمارے مترجمین اور مولویوں نے اس کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ مرد عورتوں پر حاکم ہیں۔ قوام کا لفظ عربی زبان میں نگرانی' کفالت' تولیت' سب مفاہیم میں استعمال ہوتا ہے۔ آیت کا یہ مفہوم لینے میں کوئی امر مانع نہیں کہ خاوند بیویوں کے کفیل ہیں یعنی بیوی کی معاشی کفالت خاوند کی ذمہ داری ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا

MashalBooks.org

کہ عورت مرد سے کسی درجہ میں کم ہوگئی ہے یا وہ خود کسی معاشی سرگرمی میں شریک نہیں ہو سکتی۔

آج کی دنیا میں مسلمان دانشوروں پر یہ بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ قرآن کے حقیقی اور صحیح مطلب کو سمجھنے کی سعی کریں اور اپنے نتائج فکر کی پوری قوت کے ساتھ پیش کریں۔ اس طرح بحث وتمحیص کے ذریعہ ہم صدیوں سے رائج غلط افکار سے چھٹکارا پانے میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ موجودہ کتاب اپنی بعض خامیوں کے باوجود سنجیدہ فکر لوگوں کے لئے فکر کے بہت سے دریچے وا کرے گی۔

ساجد علی،
شعبہ فلسفہ
جامعہ پنجاب، لاہور

MashalBooks.org